ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

عقیدۂ ختم نبوت کا احسان

”اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہوگیا، اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کرسکتا، اس کے شعور ذات کی تکمیل ہوگی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل و تجربہ پر زور دیا، عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لیے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے، کیونکہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔“

علامہ اقبالؒ

₹ 10/-

NOV 2017

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

پیغمبروں کا کارنامہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

''اللہ کے پیغمبروں نے جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے بجائے خواہشات کو لگام دی، انہوں نے خواہشات کے رخ کو موڑا اور صرف جائز خواہشات کو اس کا مستحق سمجھا کہ ان کی تکمیل کی جائے، انہوں نے زندہ اور بیدار ضمیر پیدا کیا، اس سے زندگی میں اعتدال اور دلوں میں سکون پیدا ہوا، تمہاری درس گاہوں، تمہاری تجربہ گاہوں، تمہاری سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا، انہوں نے حیرت انگیز ایجادوں کو جنم دیا، لیکن انسانوں کو پاک ضمیر نہیں دیا، تمہارے ان اداروں نے انسان کے ہاتھ کھول دیے، بچوں کو ہتھیار تو دیے لیکن ان کی تربیت نہیں کی، آج وہ نادان بچے شوخیاں کر رہے ہیں اور آزادانہ ہتھیاروں کا استعمال کر رہے ہیں، لیکن ؎

ع اے باد صبا ہمہ آوردۂ تست

اللہ کے پیغمبروں نے خواہشات پر پہرے بٹھائے، خواہشات میں توازن اور اعتدال پیدا کیا، نفسانی خواہشات کے بجائے اللہ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی، انسانی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا کیا، انہوں نے چیزیں ایجاد کر کے نہیں دیں، مگر انہوں نے وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، انہوں نے ضمیر بخشا، یقین بخشا، آج دنیا کے پاس سب کچھ ہے، یقین نہیں ہے، آج دنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں، لیکن یقین پیغمبروں کے کارخانے سے ملتا ہے، آج دنیا خدا سے ڈرنے والوں سے خالی ہے، یقین سے خالی ہے، انسانیت کی بے لوث خدمت کون کرے، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا یقین، اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ دیتا ہے، انسانیت کے ایسے خادم ہر نعرہ سے دور، حکومت کے لالچ سے الگ، سیاسی چالوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے بیزار، بے لوث خدمت کرتے ہیں، آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے جن کے پاس کچھ نہ ہو، پھر بھی کچھ لینا نہ چاہیں، بلکہ دینا ہی چاہیں۔

ہم لوگوں میں اس جذبہ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان میں حقیقتوں کی پیاس پیدا کرنا چاہتے ہیں، زندگی محض کھانے پینے کا نام نہیں، انسان کی زندگی محض مادی یا حیوانی زندگی کا نام نہیں، ہم ایک نیا ذوق لے کر آئے ہیں، آج کی مادی دنیا میں یہ بات نئی نہیں، دنیا کے سب پیغمبر جو ہر قدم میں آئے، یہی پیغام لائے، اور سب سے زیادہ طاقت اور وضاحت کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری طور پر یہ بات کہی۔''

(خطبات علی میاںؒ، جلد دوم، صفحہ ۲۲۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد:۹ | نومبر ۲۰۱۷ء - صفر المظفر ۱۴۳۹ھ | شمارہ:۱۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾

(یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ موجود ہے اس کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اس نے اللہ کو بہت یاد کیا ہو)

(الأحزاب: ۲۱)

فی شمارہ: -/Rs.10 | Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.100

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فہرس

دعوتِ اسلامی کا ایک تقاضا (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

رسولِ رحمت.....۴

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

رسولِ انسانیت.....۵

.....مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

توحید کیا ہے؟.....۷

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

تذکرۂ رسول- کتب سماوی کی روشنی میں.....۹

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

مسافر کی نماز.....۱۱

.....مفتی راشد حسین ندوی

عصر حاضر میں سیرت نبویؐ کی رہنمائی.....۱۴

.....مولانا اشتیاق احمد قاسمی

شریعت سے متصادم عدالتی فیصلے اور مسلم دانشوروں.....۱۷

.....سید محمد امین حسنی ندوی

اتباع رسول کا جذبہ.....۱۹

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

حالاتِ حاضرہ اور مسلمان.....۲۰

.....محمد نفیس خاں ندوی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سلام آپ پر تاجدارِ مدینہ

نتیجۂ فکر:-

مولانا نسیم احمد فریدی امروہویؒ

سراپا چمن ہے دیارِ مدینہ
دوام آشنا ہے بہارِ مدینہ

مدینہ کے پھولوں کو کیا پوچھتے ہو
رگِ گل ہے ہر نوک خارِ مدینہ

دلوں پر ہے جس کی حکومت کا سکہ
زہے شوکت تاجدارِ مدینہ

کسی چیز کی اس کو حسرت نہیں ہے
میسر ہو جس کو غبارِ مدینہ

یہ مسجد، یہ منبر، یہ روضہ، یہ گنبد
ہے فردوس ہر یادگارِ مدینہ

وہاں کی زمیں عرش سے بھی ہے اعلیٰ
جہاں دفن ہیں تاجدارِ مدینہ

تہجد، تلاوت، تضرع، دعائیں
خوشا سعی شب زندہ دارِ مدینہ

حنین و تبوک اور بدر و احد میں
صف آرا ہوئے شہسوارِ مدینہ

کبارِ مدینہ تو یوں بھی بڑے ہیں
بڑوں سے بڑے ہیں صغارِ مدینہ

تمنا ہے عمر رواں اپنی گزرے
بہ ہمراہ لیل و نہارِ مدینہ

فریدیؔ چلو چل کے روضہ پہ کہنا
سلام آپ پر تاجدارِ مدینہ

مدیر کے قلم سے

دعوتِ اسلامی کا ایک تقاضا

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تہذیبِ مغرب کی ملمع سازی نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، مغربی ایجادات وانکشافات کے ساتھ وہ ساری خرابیاں بھی عالمی تہذیب (Universal Culture) کا جزء بنتی چلی گئیں جو آج عالم انسانیت کے لیے کسی ناسور سے کم نہیں۔ کسی زمانہ میں ''ولایت'' کا سکّہ چلتا تھا پھر اس کی جگہ یورپ وامریکہ نے لے لی۔ چند دہائیوں پہلے جب فرانسیسی یا برطانوی سامراج نے دنیا کے بڑے حصّہ کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا اس وقت مغربی کلچر کے خلاف زبان سے کچھ کہنا جرم سمجھا جاتا تھا، آج پوری دنیا امریکی سامراج کے شکنجہ میں ہے، چونکہ عالمی سطح پر اسلامی بیداری پیدا ہو چکی ہے اس لیے وہ صورت تو نہیں ہے جو چند دہائیوں پہلے تھی لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے سماج میں کچھ ایسے داغ دھبّے ہیں جو کسی بدنما داغ سے کم نہیں، یہ یورپین یا امریکن کلچر کے اثرات ہیں جو کچھ شعوری طور پر اور بہت کچھ لاشعور میں اسلامی سماج میں داخل ہو گئے ہیں، اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو بعض مرتبہ دیندار ماحول میں بھی پنپنے لگتی ہیں جن کی طرف خیال نہیں جاتا، غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چیزیں مادّی مزاج کی پیداوار ہیں جو خالص مغرب کی دین ہے۔ یورپ کی مادہ پرستانہ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ روح کے بارے میں بھی غور کرتے ہیں تو اسی مادی ذہن کے ساتھ، افسوس کی بات ہے کہ یہ مادی ذہن آج مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ بعض مرتبہ خالص دینی کاموں میں بھی مادی ذہن کام کرنے لگتا ہے۔

آج کے میکانیکی (Mechanical) دور میں جبکہ دین اور اعمالِ دین کی تشریح وتفسیر بھی میکانیکی طرز واسلوب میں کی جانے لگی ہے دین کی روح اور اس کے مزاج کا سمجھنا دشوار ہونے لگا ہے۔ اسلام کا امتیاز ہے کہ اس نے تمام ظاہری اعمال وعبادات کو روح کی حقیقت کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ بلاشبہ تنظیم (Administration) کی اسلام میں خاص اہمیت ہے، ترتیب ونظام کے ساتھ جو عمل کیا جاتا ہے وہ بہتر شکل میں سامنے آتا ہے مگر اس کی حیثیت ایک وسیلہ کی ہے، اس کی اصل روح وہ اندرونی جذبات ہیں جس کے نتیجہ میں بڑی سے بڑی تحریکات وجود میں آتی ہیں، اور تحریکات کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ان کے پیچھے کسی طاقتور شخصیت کا ہاتھ ہے جس کے اندر کے اضطراب نے قوموں کو ہلا کر رکھ دیا، جب تک اندرون میں یہ جذبہ پیدا نہ کیا جائے خارجی انجکشن سے بڑا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، ہزار ترتیب قائم کی جائے، بہتر سے بہتر تنظیم کی جائے لیکن اگر روح بیدار نہیں تو جسم کو ڈھونے سے کیا حاصل! غلطی یہی ہوتی ہے کہ نظم وانتظام ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جاتا ہے، اصل زور اسی پر دیا جانے لگتا ہے، اور یہیں سے اختلاف وانتشار کا آغاز ہوتا ہے، اتحادِ اسلامی کے لیے تنظیم کی جتنی زیادہ اہمیت ہے اتنا ہی کسی خاص نظام پر اصرار سے اتحاد کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا گیا ہے، اور یہ اکثر اسی وقت ہوتا ہے جب حقیقتِ دین کو نظر انداز کر دیا گیا ہو، اسلامی مزاج دعوت کو سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی ہو اور کسی خاص مزاج یا فکر کی اس پر چھاپ ڈال دی گئی ہو۔ آج کے عالمی ماحول میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ امت کو خانوں میں ہرگز نہ بانٹا جائے بلکہ خالص اسلامی مزاج کے ساتھ نبوی طریقہ دعوت سے قریب تر رہتے ہوئے دین کے استحکام اور اشاعت کی کوششیں کی جائیں تاکہ اس کے بہتر نتائج سامنے آسکیں۔

عصرِ حاضر میں
سیرتِ نبوی ﷺ کی رہنمائی

مولانا اشتیاق احمد قاسمی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالم گیر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری دُنیا کے لیے چراغِ راہ بن کر تشریف لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت وسنت کو سامنے رکھ کر دُنیا راہ یاب ہوسکتی ہے، ہر طرح کے مسائل کا حل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع میں مضمر ہے، جملہ خرافات ومصائب سے نجات کا "نسخۂ کیمیاء" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مل سکتا ہے، اگر کوئی شخص غیر مسلم اکثریت والے ملک میں رہ رہا ہے تو اُس کو دعوت و تبلیغ کے لیے کیا طریقہ اپنانا چاہیے؟ عائلی قوانین اور پرسنل لاء پر وہ کس طرح عمل کرے؟ اپنے نزاعی معاملے کس طرح حل کرے؟ غیر مسلموں کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ وغیرہ، اِن سارے سوالوں کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ملے گا، اِسی میں یہ درس بھی موجود ہے کہ اگر آج کوئی شخص ایسی جگہ رہ رہا ہے جہاں سارے جتن کے بعد بھی اِسلام کے احکام پر عمل نہیں کرسکتا تو وہ وطن کے مقابلے میں دین کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے وطن اور گھر بار سب کو خیر باد کہہ دے اور اپنی سکت اور کوشش کے مطابق دُنیا کی ایسی جگہ کو وطن بنائے جہاں اِسلام پر عمل کرنے کی پوری اجازت ہو، احکامِ اِسلام کے نفاذ میں کوئی شئے مانع نہ ہو، آج ہجرت پر عمل کرنا پیچیدہ ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کفار نے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی وجہ سے اپنے محبوب وطن مکہ مکرمہ میں ستانا شروع کیا اور ناقابلِ برداشت اذیتیں پہنچائیں، جان کے درپے ہوگئے؛ تو ایسی صورت میں دین کی حفاظت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی، اِس کے بعد مدینہ کی؛ اخیر میں اپنے رفیقِ غار صدیق وغمگسار کے ساتھ بہ نفس نفیس ہجرت کی، دین اور ایمان کی حفاظت کے لیے مال ودولت، عزیز واقارب اور گھر بار ہر ایک کو قربان کردیا، آج بھی دُنیا کے کسی کونے میں مسلمانوں کی یہ حالت ہوجائے تو اُس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ عمل کے لیے موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ جانے کے بعد وہاں بسنے والے قبائل اَوس اور خزرج اور یہود ونصاریٰ سے معاہدات کیے، آپسی تعاون وتناصر اور رواداری کے دستاویزات مرتب کیے، پھر اپنی تحریک دعوت وتبلیغ کو تیز تر کیا، آہستہ آہستہ لوگ اِسلام میں داخل ہوتے گئے، پھر کیا تھا کہ چند برسوں میں سارا عرب کلمہ "لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا قائل ہوگیا۔ ہر جگہ امن و امان پھیل گیا، وہ جنگجو قومیں جن کا کام ہی قتل وغارت گری تھا، جنگ سے کبھی تنگ نہ آئی تھیں، آپسی چپقلش کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ رکھتی تھیں، سب شیر وشکر کی طرح مل گئیں، سب ایک دوسرے کے دوست ہوگئے۔ ع

جو نہ تھے خود راہ پر اَوروں کے ہادی بن گئے

رسولِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے آج بھی یہ سبق ملتا ہے غیر مسلموں سے معاہدات کرنا درست اور جائز ہے، دعوت وتبلیغ کے لیے سب سے پہلے ماحول سازگار کرنا ضروری ہے۔ اِسی کے ساتھ احکامِ الٰہی کے نفاذ کی کوشش میں لگے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اِسی طرح مخالف ماحول موافق ہوسکتا ہے، آج کا دَور اشاعتِ اسلام کے لیے نہایت موزوں دَور ہے، عام لوگوں میں معقولیت پسندی پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے، اگر آج اِسلام کا صحیح تعارف کرایا جائے، اِس کے لیے سارے جائز وسائل استعمال کیے جائیں تو پھر۔ ع

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

آج دُنیا بے راہ روی، ظلم وستم، بے کیفی اور بے اطمینانی سے عاجز آچکی ہے۔ اِس کو تلاش ہے کسی صحیح منزل کی، امن وآشتی کی، اطمینان اور سکون کی، اِسلام میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ صرف ضرورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشن کے اپنانے کی۔ رسولِ مکی ومدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی اتباع کی۔

روز بروز فسادات ہورہے ہیں، قتل ایک آسان کام، غارت گری

رسول انسانیت (ﷺ)

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں انسان کو اشرف کیا اور انسانوں میں انبیاء کا انتخاب کیا اور انبیاء و مرسلین میں رسول اللہ ﷺ کو ممتاز کیا، خاتم النبیین بنایا، رحمۃ للعالمین بنایا اور سید ولد آدم بنا کر قیامت تک کے لیے اعلان امامت فرمادیا، اب کوئی نبی نہیں آئے گا، جو دعوی کرے گا وہ جھوٹا اور کذاب ہوگا، اسی لیے اس کا انتظام کردیا گیا کہ قرآن مجید باقی رہے گا، نور بکھیرتا رہے گا اور رسول ﷺ کی سیرت اور تعلیمات بھی رہیں گی اور نورانی فضا قائم کرتی رہیں گی، زمانہ کے تقاضوں کا خیال کرتے ہوئے دونوں کو انسانیت کے سامنے پیش کیا جاتا رہے گا، جس زمانہ میں جس اسلوب میں پیش کرنے کی ضرورت ہوگی، ایسے صاحب دل وصاحب قلم پیدا ہوتے رہیں گے جو ان دونوں کے نور سے روشنی پھیلاتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ یہ دونور ایسے ہیں کہ ان سے نسبت جوڑنے والا ہر شخص محفوظ ہوگا، محبوب ہوگا، اس کا مقام بلند ہوگا، اس لیے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی حفاظت کی ذمہ داری رب العالمین نے اپنے ذمہ لی ہے، اور نبی ﷺ کی زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے، لہٰذا جو شخص ان دونوں سے اپنا تعلق مضبوط کرے گا گویا وہ بھی رب العالمین کی حفاظت کے حصار میں محفوظ ہوجائے گا۔

تمام انبیائے کرام میں حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ کی ایک ایک ادا محفوظ ہے، آپ کی ایک ایک بات محفوظ ہے، آپ کی ایک ایک چیز محفوظ ہے، اگر کوئی ان کی چیزوں میں تبدیلی کرنا چاہے بھی تو نہیں کرسکتا، دنیا کے تمام دانشوران بھی مل کر یہ فیصلہ کرنا چاہیں کہ ہم سنت نبوی ﷺ کو (نعوذ باللہ) بدل ڈالیں گے تب بھی سنت وہی رہے گی، یا بعض نئی چیزوں کی فہرست بھی سنت نبوی میں شامل کرنا چاہیں تب بھی یہ ناممکن ہے، سنت وہی عمل ہوگا جس کو اللہ کے رسول ﷺ سے نسبت حاصل ہو، مثلاً: آپ ﷺ نے مسواک کی وہ سنت ہوگئی، ٹخنے سے اوپر پائجامہ کرنا سنت بتایا تو وہ مسنون عمل ہوا، اب اگر ساری دنیا بھی ٹخنے سے نیچے پائجامہ کرائے تو سنت نہیں بدل سکتی، سنت اپنی جگہ اسی صورت میں قائم رہے گی، اس میں کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کے نبی کی سنت ہے، اور آپ ﷺ اللہ کے محبوب ومقبول نبی ہیں، اور یہ نبی معمولی نہیں ہیں بلکہ ایسے ہیں کہ ذرہ ذرہ ان سے محبت کرتا ہے، پتہ پتہ ان سے محبت کرتا ہے، اور ایک ایک شجر وحجر ان سے محبت کرتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی سے ہر ایک کو نئی زندگی نصیب ہوئی ہے۔

آج دنیا میں جہاں بھی خیر ہے وہ درحقیقت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے واسطے سے ہے، جو کچھ بھی ہے وہ آپ کا ہے، اس لیے آپ کی سنت کو کوئی نہیں بدل سکتا، آپ کی سنت یکساں طور پر تمام عالم میں ایسی ہی چمکتی رہے گی، آپ مراکش سے ملیشیا تک چلے جائیں تب بھی آپ کو سنت میں کوئی تبدیلی نہیں ملے گی، لیکن جو سنت نہیں ہے وہ ہر جگہ بدلتی رہتی ہے، رنگ برنگی ہوتی ہے، بنگال کی الگ، کشمیر کی الگ اور پنجاب کی الگ۔

تمام انسانیت پر اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ایک عظیم احسان ہے کہ آپ ﷺ نے سارے انسانوں کو ایک رنگ میں ڈھال دیا، ایک لڑی میں پرودیا، اور سب کے اندر اخوت پیدا فرمادی، سب کے اندر محبت پیدا فرمادی، اب جس کے اندر محبت ہے اور اس کی زبان پاک ہے، اس کو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے نسبت حاصل ہے، اور جس کی زبان گندی ہے، اور جس کی زبان پر گندے الفاظ ہیں اور جو خود گندا ہے اس کو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے نسبت حاصل ہو ہی نہیں سکتی، اور جب ان سے نسبت حاصل نہیں ہوگی، تو نہ وہ سکون حاصل کرسکتا ہے، نہ اطمینان حاصل کرسکتا ہے، نہ اس کو کبھی خوشی مل سکتی ہے، نہ اس کو کبھی شادمانی حاصل ہوسکتی ہے، اس لیے کہ ایسے لوگوں سے خوشی روٹھی رہتی ہے، اور وہ اس کو ہر وقت منانے کی فکر میں رہتے ہیں، ایسے لوگ جشن اور خوشی کو مناتے ہی رہتے ہیں، کیونکہ ان سے خوشی روٹھی رہتی ہے، لیکن جن کو اللہ کے رسول ﷺ سے نسبت حاصل ہوتی ہے، ان کی ہر وقت خوشی ہی خوشی رہتی ہے، ان کو ہر وقت لذت اور مزا آتا رہتا ہے، کیونکہ ہر آن

وہ اللہ کے رسول ﷺ کی باتوں پر عمل کرتے رہتے ہیں، اوران کی سنتوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں، جب عمل پیرا ہوتے ہیں تو ساری کائنات کی دعائیں انھیں حاصل ہوجاتی ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کو خوشی حاصل ہونا یقینی بات ہے، جو شخص سنت پر عمل کرتا ہے تو ساری کائنات اس کو مرحبا کہتی ہے اوراس مرحبا کہنے کی وجہ سے اس کے اندر ایک شادمانی اور مسرت پیدا ہوجاتی ہے، اور جو سنت کے خلاف چلتا ہے تو ساری کائنات کی ہر طرف سے پھٹکار برسائی جاتی ہے کہ؛ اِس پر لعنت ہو، پھٹکار ہو، یہ اللہ کے رسول ﷺ کا باغی ہے، یہ اللہ کے رسول ﷺ کا دشمن ہے، یہ نام تو انہیں کا لیتا ہے، لیکن دشمن ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کو یہ تکلیف پہنچا رہا ہے اور جو اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچائے اس کا مسیحا کون ہوسکتا ہے؟!!

اللہ کے رسول ﷺ کی شان اتنی بلند ہے کہ اگر کوئی بھولے سے، خطا سے، لاعلمی میں بھی کوئی تکلیف دہ بات کہہ دے تو قابل مؤاخذہ ہے، اسی لیے فرمایا گیا جب رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے تو بہت ادب سے درود وسلام پڑھو؛ ''صلی اللہ علیہ وسلم''، جب بھی آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آئے تو بغیر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے کسی صاحب ایمان کو خاموش نہیں بیٹھنا چاہیے، اس سے ایک نسبت حاصل ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا، اس سے اندازہ لگائیں کہ دس گنا ثواب سیدھا سیدھا ہے اور ظاہر ہے جو شخص رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے درود و سلام کو پڑھے گا، اس پر اتنا ہی اچھا اجر بھی حاصل ہوگا۔

غرض کہ اگر یہ دو نسبتیں (قرآن وسنت) کسی کو حاصل ہوجائیں تو وہ محفوظ ہوجاتا ہے، جو شخص بھی قرآن کریم سے تعلق قائم کرے گا اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات سے تعلق قائم کرے گا، اس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا، کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا، کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور اگر کوئی نقصان پہنچانا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نقصان پہنچائے گا، اور اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لے گا، اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نسبت سے محبوب بنایا گیا ہے، اللہ کا فرمان ہے کہ تم میرے محبوب (نبی ﷺ) کی چال چلو تو محبوب الٰہی بن جاؤ گے، ظاہر ہے جو محبوب الٰہی بن جائے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، موجودہ دور میں جو امت مسلمہ کی حیثیت سے ہمارے اندر کمزوری نظر آرہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ کمزوری اسی تعلق کے کمزور پڑنے کے سبب ہے، اگر ہماری نسبت آپ ﷺ سے قوی ہوتی تو ہم محبوب الٰہی ہوتے اور ہماری طرف کوئی بھی بری نگاہ ڈالنے کی جرأت نہ کرتا۔

آج مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی سنتوں کو بلاخوف وخطر پامال کررہا ہے، اور اپنے طرز عمل سے آپ ﷺ کو ایسی تکلیف پہنچا رہا ہے کہ اگر آپ ﷺ تشریف لے آئیں تو اس مسلمان طبقہ کی طرف نظر فرمانے سے انکار کردیں کہ یہ اتنے نالائق لوگ ہیں، ہماری سنتوں کو پامال کرتے ہیں، ہماری نمازوں کو چھوڑتے ہیں، جس میں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، ہمارے کتنے اعمال ہیں جن کو ہم پسند کرتے ہیں اور یہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں، اور وہ سارے کام کرتے ہیں جن سے ہم نے روکا ہے۔

آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ اگر کوئی آپ کو برا کہتا تھا تو آپ اس کو برداشت کرتے تھے، اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرتے تھے، یہاں تک کہ کوئی یہودی شخص بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، اسی طرح جو آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تھا اس کی بھی مزاج پرسی فرماتے تھے، لیکن اس وقت اکثر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ انہوں نے یہ سنت بالکل چھوڑی ہوئی ہے، بلکہ زندگی میں پیش آنے والے ان تمام مواقع کا سنت نبوی ﷺ سے کوئی رشتہ ہی نہیں سمجھا ہے، جب کہ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر گوشے میں مکمل رہنمائی فرمائی ہے، اس لیے اہل سنت کے زمرہ میں شمار ہونے والے تمام افراد کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو نہ چھوڑیں، آپ کی سنتوں کو ہم اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیں اور آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے جو فساد کے موقع پر میری سنت کو تھامے گا اس کے لیے سو (۱۰۰) شہیدوں کا اجر ہے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، موجودہ حالات میں اس پر بہت غور کی ضرورت ہے، اس لیے کہ رسول ﷺ کی سنتوں کو پامال کرنا آج مسلمانوں کا شیوہ بن گیا ہے، ہم لاعلمی اور بے توجہی کے نتیجہ میں بہت سے ایسے کام کرجاتے ہیں جن کا سنت سے کوئی واسطہ نہیں۔

گذشتہ سے پیوستہ

توحید کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

منہج دعوت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا: تم ایسے لوگوں کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں، لہٰذا تم ان کو سب سے پہلے خدا کو ایک ماننے کی دعوت دینا، جب وہ اس کو سمجھ لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد جب حالات سازگار ہوگئے تو جہاں جہاں سے تقاضے آئے اور جہاں جہاں آپ ﷺ نے ضرورت محسوس کی، ان علاقوں میں صحابہ کرام کو بھیجا اور جانے والوں کو آپ ﷺ نے وہاں کے حالات کے اعتبار سے نصیحتیں بھی فرمائیں، مذکورہ حدیث جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے یمن بھیجنے کا تذکرہ ہے، حضرت معاذؓ بن جبل جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے بارے میں خود آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ یہ حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، آپ ﷺ نے ان کو یمن بھیجا تھا جس وقت وہ تشریف لے جارہے تھے، اس وقت آپ ﷺ نے ان سے نصیحت کے طور پر یہ بات فرمائی کہ تم ایسے لوگوں کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں اور اہل کتاب کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ شرک میں مبتلا ہوچکے ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ تم ان کو توحید کی دعوت دینا، توحید کی طرف بلانا جو ہر چیز کی بنیاد ہے، عقائد کی بنیاد ہے اور اس کے بعد اعمال کی بنیاد بھی ہے۔

دعوت کا پہلا مرحلہ: آپ ﷺ نے اس نصیحت میں ان کو حکمت کی ایک بات بتائی جس کا سمجھنا ایک داعی کے لیے نہایت ضروری ہے، اس حدیث میں آپ ﷺ سے دعوت کی حکمت کا یہ طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جب بھی کہیں دعوت کی بات کہے تو اس میں تدریج وترتیب اختیار کرے، ساری باتیں ایک ساتھ پیش نہ کی جائیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نامانوس باتیں ہوتی ہیں ان کا فوراً قبول کرلینا مشکل ہوتا ہے، لیکن جب آدمی مانوس ہوجاتا ہے تو ان کا قبول کرنا آسان ہوتا ہے، اس لیے تمام دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے یہ ایک اصولی بات ہے، چاہے کوئی شخص مشرکین میں کام کرے، اہل کتاب میں کام کرے، یا مسلمانوں میں کام کرے، جو لوگ بھی اصلاح ودعوت کا کام کرتے ہوں، ان سب کے لیے اس حدیث میں یہ حکمت ہے کہ دعوت کے کام میں تدریج اختیار کی جائے، سارا بوجھ اکٹھا نہ لادا جائے، اگر سارا بوجھ اکٹھا لادا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر آدمی اس کے بارے میں سوچے گا کہ یہ ہم کر بھی سکیں گے یا نہیں؟ وہ سوچے گا کہ اتنی باتوں پر عمل کرنا مشکل ہے، لیکن جب ایک مرتبہ آدمی مانوس ہوجائے گا اور ایک چیز کو اچھی طرح سمجھ لے گا تو دوسری بات اس کو قبول کرنے میں سہولت ہوگی، معلوم ہوا دعوتی کام میں تدریج اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور یہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ ایک ایک بات کہی جائے، جب مخاطب ایک بات سے مانوس ہوجائے پھر دوسری بات کہی جائے۔

دعوت کا دوسرا مرحلہ: مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعوتی کام میں تدریج کے ساتھ ترتیب بھی اختیار کی جائے، جو چیزیں زیادہ ضروری ہیں اور زیادہ اہم ہیں، ان کو پہلے مرحلہ پر بیان کریں، جو چیزیں کم اہم ہیں ان کو اسی ترتیب سے درجہ بدرجہ بیان کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ غیر اہم کا پہلے تذکرہ ہو اور اہم چیزوں کا بعد میں تذکرہ ہو، کوئی کسی شرک والے کے پاس جائے اور بجائے توحید کی دعوت دینے کے اس کو سب سے پہلے نماز یا اعمال کی دعوت دے تو یہ ترتیب نامناسب ہے، اس لیے کہ اعمال کی بنیاد عقائد پر ہے اور عقائد کی بنیاد توحید پر ہے، لہٰذا سب سے پہلا مرحلہ توحید کا ہے، اس حدیث میں ایک طرف آپ ﷺ نے تدریج بیان فرمائی ہے اور دوسری طرف ترتیب بھی بیان فرمائی کہ جو سب سے اہم چیز ہو اس کو سب سے پہلے بیان کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ اہم وہ چیز ہے جو بعد میں آنے والی چیزوں کی بنیاد ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اہم چیز توحید ہے، توحید کا عقیدہ صحیح ہے تو باقی تمام چیزیں صحیح ہوں گی، اس لیے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں، تدریج بھی ضروری ہے اور ترتیب بھی، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اس کو قبول کرتا ہے، اس پر عمل کرنا اس کو آسان ہوتا ہے، ورنہ جو

چیزیں اجنبی ہوں، جن سے آدمی مانوس نہ ہو اگر وہ سب اکٹھا کہی جائیں تو آدمی ان کو بوجھ محسوس کرتا ہے، قرآن مجید کا اسی لیے طریقہ دعوت یہ ہے کہ جو احکامات پیش کیے جاتے ہیں، اول تو وہ نرے احکامات نہیں ہوتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں جو اس کا ترغیبی پہلو ہے وہ بھی ذکر کیا جاتا ہے، گویا جو دوا دی جاتی ہے وہ شکر میں لپیٹ کر دی جاتی ہے، اندر سے کڑوی ہے، لیکن اوپر سے میٹھی ہے تاکہ اس کا لینا آسان ہو، اگر کڑوی دوا نری کڑوی ہوگی تو اس کا حلق سے نیچے اتارنا دشوار ہوتا ہے، اس لیے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ جو بات بھی کہی جائے تدریج کے ساتھ کہی جائے، دوسرے یہ کہ اس میں ترتیب کا لحاظ رہے۔

دعوت کا تیسرا مرحلہ: تدریج وترتیب کے ساتھ ایک اور اہم بات ہے جو ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہوتی ہے، اس کا خاص لحاظ رکھا جائے، وہ یہ کہ جو بات کہی جائے بہتر طریقہ پر کہی جائے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (النحل: ۱۲۵) (اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاتے رہیے اور اچھے طریقہ پر ان سے بحث کیجیے)

صاف صاف قرآن مجید میں کہہ دیا گیا کہ دعوت کے طریقہ میں نرمی اختیار کی جائے، اگر داعی ایک بات کہے گا اور اس میں کچھ سختی اختیار کرے گا تو اس کا اثر نہیں ہوگا، لیکن وہی بات اگر اپنائیت اور نرمی کے ساتھ کہے گا تو بات مؤثر ہوگی، اس لیے کہ آدمی کا مزاج یہ ہے کہ وہ سختی اور بڑائی پسند نہیں کرتا، اگر بات کہنے والا ذرا بھی یہ ظاہر کرے کہ وہ اوپر ہے اور مخاطب نیچے، تو وہ بات مؤثر نہیں ہوتی، اس لیے داعی یہ کبھی نہ سمجھے کہ ہمارے پاس علم ہے اور جس سے ہم کہہ رہے ہیں یہ بے عمل ہے، جاہل ہے، یہ ہم سے بہت نیچا ہے، ہم تو اس سے ہر طرح خطاب کر سکتے ہیں، وہ ہمارا چھوٹا ہے، اگر یہ بات ذہن میں آئی تو اول تو اصول کے خلاف بات ہے، ہر آدمی کو سمجھنا چاہیے کہ ہم میں کتنی کوتاہیاں ہیں، اور دوسرے یہ کہ دعوت کا عمل پھر غیر مؤثر ہو جاتا ہے، اس کی تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنے کو کم سمجھے، مخاطب کی اہمیت اس کے ذہن میں ہو، اور یہ سمجھے کہ جب مخاطب سے محبت کے ساتھ کہا جائے گا، اپنائیت سے کہا جائے گا، تو اس کا اثر پڑے گا اور اگر اس میں اپنائیت نہیں ہے تو پھر بات مؤثر نہیں ہوگی، دعوت کا کام خواہ آپ اپنوں میں کریں یا غیروں میں ہر میدان میں یہی صورت حال ہے، ہر جگہ کا یہ بنیادی اصول ہے کہ تدریج وترتیب ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: تیسری بات جو قرآن مجید اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتی ہے، وہ ہے برائی پر نکیر کرنا، سیرت نبوی ﷺ میں واقعات دیکھو تو اندازہ ہوگا کہ کس طرح آپ ﷺ انکار منکر فرماتے تھے، یہ بھی لازم ہے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ انکار منکر نہ کیا جائے تو ظاہر ہے دین ناقص ہو جائے گا، اس لیے کہ قرآن مجید میں دونوں باتیں ہیں، ﴿يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ کے ساتھ ﴿يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ کا ذکر ہر جگہ ملے گا، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس کا پورا نمونہ موجود ہے، لیکن "أمر بالمعروف" اور "نهي عن المنكر" کس طرح ہو، یہ باتیں ہمیں سیرت سے معلوم ہوتی ہیں، سیرت میں جو واقعات سامنے آتے ہیں، ان میں عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ کہیں حکم دیتے ہوں، بلکہ آپ ﷺ اس کام کی فضیلت بیان فرماتے تھے، اس کی اہمیت بیان فرماتے تھے، عام طور پر یہ نہیں فرماتے تھے کہ فلاں تم ایسا کرلو، بلکہ فرماتے تھے کہ فلاں کام بڑا مفید ہے، بڑا مناسب ہے، اس کے یہ فضائل وفوائد ہیں، تاکہ آدمی کے اندر خود دلچسپی ورغبت پیدا ہو جائے۔

مؤثر طریقہ دعوت: معلوم ہوا دعوت کا مناسب طریقہ ہر جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے، آدمی دوسرے کی نفسیات سمجھے اور اس کے اعتبار سے اس کو خطاب کرے، وہ جذبات مجروح نہ کرے بلکہ وہ اس اپنائیت سے مخاطب کرے کہ وہ داعی کو اپنا سمجھے، جب آدمی ایک مرتبہ اپنا سمجھتا ہے تو اس کے بعد بات بڑی آسان ہو جاتی ہے، حضرت مولانا علی میاںؒ فرماتے تھے کہ جب بھی تم کسی سے بات کرنا چاہو تو کھلے دروازہ سے جاؤ، کبھی بھی بند دروازہ کو زبردستی کھولنے یا توڑنے اور زبردستی کھلوانے کی کوشش نہ کرو، اس لیے کہ جب تم کھلے دروازے سے جاؤ گے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ تم اس کے اپنے بن جاؤ گے، تمہارے اندر اپنائیت پیدا ہو جائے گی، تم جس سماج میں جاؤ گے وہ تم کو اپنا سمجھے گا، اور جب اپنا سمجھے گا تو تم جو بات بھی کہو گے تمہاری بات توجہ سے کان لگا کر سنی جائے گی کہ اپنا آدمی کہہ رہا ہے، اور جہاں اجنبیت کا احساس ہوا تو بات مؤثر نہیں ہوگی۔

تذکرۂ رسول (ﷺ) - کتب سماوی کی روشنی میں

عبدالسبحان ناخدا ندوی

قرآنی آیات اور بعض تاریخی روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عرصہ دراز سے اہل کتاب بالخصوص یہود نبی آخر الزماں (ﷺ) کی بعثت کا حوالہ دے کر مشرکین پر اپنی فتح وغلبہ کی بات کیا کرتے تھے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ ان کو خود ایک خاص نبی کی آمد کا شدید انتظار تھا، جن کے متعلق ان کے انبیاء نے ان کو بتایا تھا اور سابقہ آسمانی کتابوں سے ان کو معلوم ہوا تھا، چنانچہ آج بھی ہزار ہا تحریفات کے باوجود توریت وزبور کے نسخوں میں آپ ﷺ کے متعلق بشارتیں موجود ہیں، اور وہ بشارتیں ایسی ہیں جو صرف آنحضرت ﷺ پر ہی صادق آتی ہیں، حضرت موسیٰ فرماتے ہیں:

''اور خداوند نے مجھ سے کہا: میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا''۔ (استثناء: ۱۸/ ۱۷-۱۹)

یہ عبارت صاف صاف بتا رہی ہے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں، بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں؟ آپ ﷺ حضرت موسیٰ کی طرح صاحب شریعت نبی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتری، لیکن شریعت حضرت موسیٰ ہی کی رہی، مستقل صاحب شریعت نبی آپ ﷺ کے علاوہ حضرت موسیٰ کے بعد کوئی اور نہیں ہوا، توریت کی یہ پوری عبارت خاص طور پر یہ جملہ ''میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا'' اس سے آپ کے امی ہونے کی طرف قوی اشارہ ہے، آپ کلام الٰہی لکھواتے تھے، لیکن خود لکھا ہوا پڑھ نہیں سکتے تھے، آپ نے ہمیشہ وہی کلام پڑھا جو اللہ نے حضرت جبریل کے ذریعہ آپ کے دل میں اتارا، گویا اللہ نے بواسطہ جبریل اپنا کلام آپ کے منہ میں ڈالا، آپ کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پڑھنا جانتے تھے، ''اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا'' یہ جملہ قرآن کریم کی اس مبارک آیت کی مکمل تصدیق معلوم ہوتا ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (آپ خواہش سے نہیں بولتے ہیں، آپ کا بولنا تو وحی الٰہی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے)

دوسری طرف عیسائی کہتے ہیں کہ اس بشارت کے مستحق حضرت عیسیٰ ہیں، لیکن اگر بھرپور جائزہ لیا جائے تو حضرت موسیٰ کی مشابہت آنحضرت ﷺ سے حضرت عیسیٰ کے مقابلہ کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے، جب کہ توریت میں تصریح ہے کہ میں تیرے مانند ایک نبی برپا کردوں گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا نبی حضرت موسیٰ سے بہت مشابہ ہوگا، دونوں کی پیدائش عام انداز سے ہوئی، دونوں صاحب شریعت نبی تھے، حضرت عیسیٰ اس طرح نہیں تھے، دونوں کو دشمن کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا (یہ اور بات ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے نافرمانی کی) حضرت عیسیٰ کو تلوار اٹھانے کا حکم نہیں دیا گیا، دونوں نے اپنی قوم کی مکمل قیادت کی، جب کہ حضرت عیسیٰ کی اپنے زمانہ میں کوئی بڑی امت نہ ہو سکی۔

کلام منہ میں ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کتاب دیکھ کر نہیں پڑھیں گے، جب کہ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام امی نہیں تھے، کتاب دیکھ کر پڑھ سکتے تھے، لوقا میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: ''اور وہ ناصرۃ میں آیا جہاں اس نے پرورش پائی تھی اور اپنے دستور کے مطابق سبت کے دن عبادت خانے گیا اور پڑھنے کو کھڑا ہوا اور یسعیاہ نبی کی کتاب اس کو دی گئی اور کتاب کھول اس نے وہ مقام نکالا جہاں یہ لکھا تھا کہ خداوند کا روح مجھ پر ہے، اس لیے اس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لیے مسح کیا.....''۔ (لوقا: ۴/ ۱۶-۱۸)

اس سے صاف حضرت مسیح کا پڑھا لکھا ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، یہ کلمہ پڑھے لکھے کے مقابلہ

میں امّی پر زیادہ صادق آتا ہے۔

اسی طرح ''تیرے بھائیوں'' کے الفاظ ذہن کو بنی اسماعیل کی طرف لے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰ تو بنی اسرائیل میں ہوئے، ان کے لیے صحیح تعبیر ''تم ہی میں سے'' ہونی چاہیے۔

''جو اس کی بات نہیں مانے گا میں ان سے ان کا حساب لوں گا'' یہ جملہ بھی آپ ﷺ پر پورے طور پر صادق آتا ہے، مشرکین نے بات نہیں مانی، اکثریت بدر کے میدان میں ڈھیر ہوگئی، رہی سہی کسر فتح مکہ وحنین نے پوری کردی، پورا عرب اسلام میں داخل ہوگیا، یہود نے بات نہیں مانی، ان کے قبائل جلاوطن کیے گئے، بعض تہہ تیغ کردیے گئے، پھر خیبر سے بھی نکالے گئے، روم وایران نے جب بات نہیں مانی تو آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ نے ان کو سر جھکانے پر مجبور کیا، غرض آپ کی زندگی ہی میں اور آپ کے معاً بعد بہت ساری قوموں کا حساب چکتا کیا گیا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اس طرح کا معاملہ پیش نہیں آیا۔

ذیل میں مختصراً زبور کی نغمہ سنجی بھی ملاحظہ کیجیے کہ کس قدر لطیف انداز میں آپ ﷺ کی شان ظاہر کی جارہی ہے؛

''تو نوع انسان میں سب سے زیادہ شکیل ہے، تیرے ہونٹ لطافت سے بھرے ہوئے ہیں، کیونکہ خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے برکت دی ہے، اے جلیل القدر! اپنی تلوار کو اپنی کمر پر کس لے اور شان وشوکت اور عظمت وجلال سے مسلح ہوجا، اور سچائی اور حلیمی اور راست بازی کی خاطر شان وشوکت کے ساتھ فاتحانہ انداز سے سوار ہوجا، اور اپنے داہنے ہاتھ کو بھیانک کارنامے انجام دے، تیرے تیر بادشاہ کے دشمنوں کے دلوں کو چھید ڈالیں، اور قومیں تیرے قدموں میں گر جائیں، اے خدا! تیرا تخت ابدالآباد تک قائم رہے گا، تیری سلطنت کا عصا اسی کا عصا ہوگا، تو صداقت سے محبت کرتا ہے لیکن شرارت سے نفرت رکھتا ہے، اس لیے خدا تیرے خدا نے تجھے شادمانی کے تیل سے مسح کرکے تجھے تیرے ساتھیوں سے بھی بڑھ کر سرفراز کیا ہے، تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے اور تو انہیں سارے ملک میں حاکم مقرر کرے گا، میں تیری یاد کو پشت در پشت قائم رکھوں گا، اس لیے قومیں ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گی''۔ (زبور: مزمور؛ ۴۵)

یہ پوری عبارت پڑھیے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے تصور کے پردے میں لائیے، کیا خود عبارت بڑھ چڑھ کر بول نہیں رہی ہے کہ اس کا مصداق نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا، دوست دشمن سب اس پر متفق ہیں کہ بنی نوع انسان میں آپ سے بڑھ کر کسی کو دینی دنیاوی سیاسی اور تاریخی وجاہت نصیب نہیں ہوسکی، آپ سے بڑھ کر کسی کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے لطیف کلمات محفوظ نہیں رکھے گئے، خیر وبرکت کا تسلسل آپ سے بڑھ کر کسی پر نہیں رہا، آپ کی تلوار سے بڑھ کر کسی اور کی تلوار برق الٰہی بن کر چمک نہ سکی، شان وشوکت اور عظمت وجلال کے نظارے دنیا نے کسی اور کے اس طرح نہیں کیے، عظمت وجلال قلب وبدن دونوں پر اثر کرتے تھے، دلوں سے آپ کے لیے محبت کے سوتے پھوٹتے تھے اور تن آپ پر قربان ہونے کو بے قرار رہتے، آپ نے تمام غزوات میں فتح پائی، آپ کے تیروں نے دشمن کے جگر چھلنی کردیے، نصرت الٰہی آپ کے ہمرکاب رہی، آپ کو جو طاقت ملی اس سے زبردست کارنامے وجود میں آئے، دس سال کے قلیل عرصہ میں پورا عرب آپ کے زیر نگیں ہوا، پھر آپ کے صحابہ نے جو فی الحقیقت آپ ہی کی شان وشوکت کے تیر تھے، مختصر مدت میں قیصر وکسریٰ کو خاک میں ملادیا، قوموں کے قدموں پر گرنے کا یہ معجزہ کسی اور نبی اور ان کے جانشینوں کے حصہ میں نہیں آیا، دین اسلام اپنی تمام تر سچائی سمیت ہمیشہ کے لیے قائم ہوگیا، ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ خوشی ومسرت اور شرف وعزت میں کوئی اور آپ کا ہمسر نہ ہوسکا، ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کا مژدۂ جانفزا آپ کو ملا، ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ کی سعادت صرف آپ کے حصہ میں آئی، ﴿عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ کی نوید کتاب الٰہی نے آپ کے لیے ہمیشہ ثبت کردی، آپ پر صلاۃ وسلام کو مستقل عبادت قرار دیا گیا۔

''تجھے شادمانی کے تیل سے مسح کرکے تیرے ساتھیوں سے بھی بڑھ کر سرفراز کیا ہے'' کیا آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس کی شہادت نہیں دیتا، آپ کی امت جو آپ کے لیے مثل اولاد ہے، بالخصوص فرزندان قریش جو آپ سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہیں..... (باقی صفحہ/۱۳ پر)

مسافر کی نماز

مفتی راشد حسین ندوی

سفر کی حالت میں شریعت نے نماز، روزے میں کچھ سہولیات دی ہیں، وجہ بالکل واضح ہے کہ سفر میں انسان مشقت میں ہوتا ہے، اس لیے اگر چھوٹ نہ دی جائے تو اسے مشقت ہوسکتی ہے، نماز کے بارے میں یہ سہولت دی گئی کہ چار رکعات والی نماز کو دو رکعت کردینے کا حکم دیا گیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ (النساء: ۱۰۱) (اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس بات میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز میں قصر کرلیا کرو)

اس آیت کریمہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان کو اختیار رہتا ہے کہ چاہے قصر کرے اور چاہے تو قصر نہ کرے، لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کرنا ضروری ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا تم پر ایک صدقہ ہے، لہٰذا اللہ کے صدقہ کو قبول کرو''۔ (مسلم)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں: نماز دو رکعت فرض کی گئی، پھر آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار رکعت فرض کردی گئی اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر باقی رکھا گیا۔ (بخاری ومسلم)

ان جیسی احادیث کی وجہ سے احناف کے نزدیک قصر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ (ہندیہ: ۱/۱۳۹، شامی: ۱/۵۸۰)

کتنی مسافت کے سفر سے قصر کیا جاسکتا ہے؟

لغوی اعتبار سے مسافت طے کرنے کو سفر کہتے ہیں، خواہ وہ مسافت کم ہو یا زیادہ، لیکن عرف اور اصطلاح دونوں میں معمولی مسافت طے کرنے کو سفر نہیں کہا جاتا، چنانچہ عرف میں لمبی مسافت پر جانا ہو تبھی اس کو سفر کہا جاتا ہے، اور شریعت کی اصطلاح میں جس خاص سفر سے احکام میں تبدیلی آجاتی ہے اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، احناف کے یہاں اس کی تقدیر اصلاً مسافت سے نہیں ہے، بلکہ اصلاً مسافر وہ ہے جو اتنی دور کی مسافت کے لیے نکلا ہو جس کو سال کے چھوٹے دنوں میں اونٹ پر سواری کرکے یا پیدل تین دن تین رات میں طے کیا جاسکتا ہو اور یہاں مسلسل چلنا مراد نہیں ہے، بلکہ پہلے زمانہ میں جس طرح آرام کا خیال رکھتے ہوئے سفر کرتے تھے وہ مراد ہے، اور اس زمانہ میں عرف صبح سے زوال تک سفر کرنے کا تھا، اس طرح ایک دن میں سات گھنٹوں سے کچھ کم چلنے کا رواج تھا، ظاہر بات ہے کہ اگر اس طرح سے میدانی علاقوں میں سفر کیا جائے تو زیادہ مسافت طے ہوجائے گی، اور پہاڑی علاقوں میں کم مسافت طے ہوگی، بحری راستوں کا نظام ان دونوں سے الگ ہوگا۔

(شامی: ۱/۵۸۰، ہندیہ: ۱/۱۳۸)

احناف نے تین دن تین رات کا قول مسلم شریف کی اس روایت سے مستنبط کیا ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خفین پر مقیم ایک دن ایک رات اور مسافر تین دن تین رات مسح کرے گا، تو احناف فرماتے ہیں کہ مسافر کی مدت مسح تین دن تین رات مقرر کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کم از کم تین دن کا سفر ہو تبھی مسافر مانا جائے گا۔

بعد میں علماء نے آسانی کے لیے اس کو میلوں سے مقدر کردیا، اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ ۴۸ میل مسافت سفر ہیں، جس کے تقریباً سوا ستتر کلومیٹر ہوتے ہیں۔ (۲۴۸/۷۷) بہت سے علماء نے اس سے زیادہ مسافت تحریر فرمائی ہے۔

(دیکھئے: احسن الفتاوی: ۴/۹۴، جدید فقہی مسائل: ۱/۱۴۲، جواہر الفقہ: ۱/۴۵۳-۴۳۸)

اب اس مسافت کو کوئی منٹوں میں طے کرلے تب بھی اس پر قصر لازم ہوگا، اسی طرح اگرچہ قصر کی حکمت مشقت سے بچانا ہے، اس کے باوجود قصر ہر حالت میں لازم ہوگا خواہ سفر میں کوئی بھی مشقت نہ ہو رہی ہو۔ (ہندیہ: ۱/۱۳۹)

قصر کا حکم کب شروع ہوگا؟

جب مسافت سفر کی مذکورہ بالا مقدار کے برابر سفر کے ارادہ سے نکلے تو محض اپنے گھر سے نکل جانے سے قصر شروع نہیں ہوگا، قصر اس وقت شروع ہوگا جب اپنی بستی کی آبادی سے باہر نکل جائے، یہ حکم بڑے شہروں کے لیے بھی ہوگا، البتہ اگر دو شہر آس پاس ہیں اور

دونوں کی آبادی میں اتصال ہوگیا ہے جیسے دہلی اور غازی آباد تو سرکاری اعتبار سے جہاں ایک شہر ختم ہورہا ہے وہاں سے نکلتے ہی سفر کے احکام شروع ہوجائیں گے، اگرچہ آبادی متصل ہو۔
(شامی:۱/۵۷۸، ہندیہ:۱/۱۳۹، فتاوی رحیمیہ:۶/۳۶۳)

جہاں تک ریلوے اسٹیشن، بس اسٹیشن اور ایئرپورٹ کا تعلق ہے تو ان میں بھی یہی ضابطہ رہے گا، اگر ان جگہوں تک شہر کی آبادی متصل ہے تو وہاں قصر کے احکام شروع نہیں ہوں گے اور اگر یہ مقامات آبادی سے باہر ہوں تو قصر کے احکام وہاں بھی رہیں گے۔
(شامی:۱/۵۷۸)

جب دوری الگ الگ ہو:

اگر کسی جگہ جانے کے دو راستے ہوں مثلاً: ریلوے لائن بھی ہو اور سڑک بھی ہو، ایک راستہ سے مسافت سفر پوری ہوجاتی ہے، لیکن دوسرے راستہ سے پوری نہیں ہوتی تو جس راستے سے مسافت پوری ہورہی ہے، اس سے سفر کرے گا تو قصر ہوگا، دوسرے راستہ سے سفر کرے گا تو اتمام ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۱۳۸، شامی:۱/۵۸۰)

جب راستہ ہی سے واپس ہوگیا:

اگر کوئی شخص مسافت سفر کے ارادہ سے نکلا، پھر ابھی مسافت سفر طے بھی نہیں کی تھی کہ آگے جانے کا ارادہ ملتوی ہوگیا تو یہ شخص جاتے ہوئے مسافر مانا جائے گا، اور اس درمیان چار رکعات والی نماز میں قصر کرتا رہے گا، لیکن واپسی میں قصر نہیں کرے گا، جو نمازیں جاتے ہوئے قصر پڑھیں وہ شرعاً معتبر مانی جائیں گی، اور ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۱۳۹، شامی:۱/۵۸۱)

قصر کا حکم کب ختم ہوگا؟

پھر جب وہ مسافر ہوگیا تو اب برابر چار رکعات والی نماز میں قصر کرتا رہے گا، یعنی ان کو دو رکعت پڑھے گا، جب تک اپنے شہر لوٹ نہ آئے، پھر جب اپنے شہر کی آبادی میں پہنچ جائے تو قصر کا حکم ختم ہوجائے گا، خواہ ریلوے اسٹیشن، بس اسٹیشن یا ایئرپورٹ ہی پہنچا ہو، جہاں تک شہر کی آبادی متصل ہوگئی ہے، اسی طرح اگر کسی گاؤں یا شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلی تب بھی قصر کا حکم ختم ہوجائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ ایک جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہو، چنانچہ اگر آس پاس دو گاؤں ہیں، اس نے ایک جگہ کے بجائے دونوں جگہ ملا کے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی، لیکن ارادہ یہ ہے کہ ایک جگہ کے بجائے دونوں جگہ ملا کے پندرہ دن ٹھہرے گا، تو وہ قصر کرتا رہے گا، جیسے کسی علاقہ میں جماعت جائے اور نیت یہ ہے کہ اسی علاقہ میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ کام کرنا ہے، لیکن ان کا ارادہ ایک گاؤں میں ٹھہرنے کا نہیں ہے، بلکہ الگ الگ بستیوں میں قیام رہے گا تو یہ سب مسافر کے حکم میں رہیں گے، اس کے برخلاف جیسے کوئی جماعت دہلی اور ممبئی جیسے شہر میں جائے، پورا چلہ وہیں گزارنا طے ہوگیا ہے لیکن الگ الگ محلوں اور مسجدوں میں تو چونکہ ایک ہی شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہے لہٰذا وہ مقیم ہوجائیں گے۔
(شامی:۱/۵۸۱)

پندرہ دن ایک جگہ ٹھہرنے میں اعتبار رات کا ہوتا ہے، چنانچہ اگر کسی کا ارادہ یہ ہے کہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ فلاں جگہ رات گزاروں گا، اور دن میں دوسرے گاؤں اور بستیوں میں پھیری لگاؤں گا، تو اگر یہ بستیاں اقامت والے گاؤں سے مسافت سفر پر نہیں ہیں تو وہ مقیم مانا جائے گا۔ (ہندیہ:۱/۱۴۰)

یہ بھی واضح رہے کہ جب ایک ساتھ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تبھی قصر ختم ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی ایک بستی میں سالوں مقیم رہا، لیکن ایک ساتھ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں تھی، ارادہ یہ تھا کہ ضرورت ایک دو دن میں پوری ہوجائے گی، تو ضرورت پوری ہوتے ہی واپس ہوجاؤں گا، لیکن اس کی ضرورت پوری نہیں ہوئی، اور وہ اسی طرح چند دن ٹھہرنے کی نیت کرتے ہوئے سالوں وہاں مقیم رہا تو وہ شرعاً مسافر ہی ہے اور نماز میں قصر کرتا رہے گا۔
(ہندیہ:۱/۱۳۹، شامی:۱/۵۸۲)

قصر کے احکام:

جب کوئی شخص شرعی طور پر مسافر ہوجائے تو اب اس پر لازم ہے کہ چار رکعات والی نمازوں (ظہر، عصر، عشاء) کو دو رکعت پڑھے، اگر بھولے سے ان کو چار رکعت پڑھ لیا تو اگر دو رکعت کے بعد تشہد کے لیے قعدہ کیا تھا تو اس کی نماز کراہت کے ساتھ ہوجائے گی، اور بعد کی دو رکعات نفل ہوجائیں گی، اگر نماز ہی میں یاد آجائے تو اس کو سجدہ سہو کرلینا چاہیے، اور اگر دو رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا تو یہ نماز فرض کے طور پر نہیں ہوگی نفل ہوجائے گی، فرض

نماز اس کو الگ سے پڑھنی ہوگی۔ (شامی:۱/۵۸۳، ہندیہ:۱/۱۳۹)

مسافر کی اقتداء میں مقیم کی نماز:

مقیم کے لیے مسافر کی اقتداء کرنا جائز ہے، چاہے ادا نماز پڑھی جارہی ہو یا قضاء، پھر جب مسافر امام سلام پھیر دے تو مقیم اپنی نماز پوری کرلے گا، اور جب نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہوگا تو وہ قراءت نہیں کرے گا، اس لیے کہ حکماً وہ ابھی امام کے پیچھے ہی نماز پڑھ رہا ہے، اور مسافر امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ اپنی نماز مکمل کرنے کے بعد کہے کہ آپ لوگ اپنی نماز پوری کرلیں اس لیے کہ میں مسافر ہوں، ابو داؤد میں حضرت عمران بن حصین کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسافر کی حیثیت سے جب نماز پڑھائی تھی تو نماز کے بعد اسی طرح اعلان فرمایا تھا۔

(شامی:۱/۵۸۴، ہندیہ:۱/۱۴۲)

مقیم کی اقتداء میں مسافر کی نماز:

اگر مقیم شخص وقت کے اندر چار رکعات والی نماز پڑھا رہا تھا تو مسافر اس کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتا ہے، اقتداء کرتے ہی اس پر چار رکعات فرض ہوجائیں گی، اب خواہ اس کو امام کے ساتھ ایک رکعت ملی ہو یا صرف قعدہ اخیرہ ہی ملا ہو لیکن اب اس پر چار رکعات پڑھنا فرض ہوجائے گا، لیکن اگر کسی وجہ سے امام کے پیچھے پڑھی جانے والی اس کی یہ نماز فاسد ہوجائے اور اس کو نماز کا اعادہ کرنا پڑے تو اعادہ صرف دو رکعت کا کرے گا۔ (شامی:۱/۵۸۴)

اور اگر مقیم اور مسافر کی چار رکعات والی کوئی نماز قضاء ہوگئی تو اب مسافر مقیم کی اقتداء نہیں کرسکتا، اس لیے کہ وقت کے اندر اقتداء کرنے پر اس کی نماز چار رکعات والی بن سکتی ہے، لیکن وقت گزر جانے کے بعد اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ (شامی:۱/۵۸۵)

وتر اور سنتوں کا حکم:

اگر سفر جاری ہو تو سنن مؤکدہ کو ترک کردے گا، اور اگر مسافر ہی ہے لیکن ٹھہرا ہوا ہے یا امن وسکون سے ہے تو افضل یہ ہے کہ سنتیں پڑھ لے، جہاں تک وتر کا تعلق ہے تو دونوں حالتوں میں اس کو پڑھنا واجب ہوگا، بعض حضرات نے سنت فجر کی زیادہ فضیلت کے سبب یہ فرمایا ہے کہ اس کو بھی دونوں حالتوں میں پڑھا جائے گا۔

(شامی:۱/۵۸۰، ہندیہ:۱/۱۳۹)

فرض میں تغیر کب ہوگا؟

فرض کی تبدیلی میں آخری وقت کا اعتبار ہوتا ہے، اگر کوئی شخص پورے وقت میں مقیم رہا اور آخری وقت میں مسافر ہوگیا تو اب یہ نماز دو رکعت پڑھے گا، اور اگر آخری وقت میں مقیم ہوگیا تو چار رکعات پڑھے گا۔ (شامی:۱/۵۸۵)

بقیہ: تذکرۂ رسول (ﷺ) - کتب سماوی کی روشنی میں

.....ان کے ذریعہ خلافت راشدہ قائم ہوئی، پھر صدیوں تک حکومت کا سلسلہ جاری ہوا، دین وسیاست کو آپ نے اس طرح ضم کردیا کہ اب قیامت تک ان کو الگ کرکے دیکھا نہیں جاسکتا، خود آپ نے اپنے ذریعہ گورنروں کو مقرر فرمایا، ان کے لیے روشن ہدایات دیں، آداب حکمرانی سکھائے، انداز سلطانی بتائے، آپ کی یاد صلاۃ و سلام کی شکل میں خود ذکر الٰہی کا ایک حصہ بن گئی، آپ کی ذات پر جتنا لکھا گیا اور آپ کا تذکرہ رنگا رنگ طریقوں سے جس طرح جاری ہوا، اس کا ہزارواں حصہ بھی کسی کو نصیب نہ ہوسکا، کتنے قلم آپ کے لیے وقف ہوگئے، کتنی کتابیں آپ کے تذکرے سے پرنور ہوئیں، کتنے کتب خانے آپ کے قدموں پر نثار ہوئے، ان کی تعداد اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، نسل در نسل آپ کو یاد کرنے کا سلسلہ مسلسل دراز ہورہا ہے، یہ کبھی ختم نہ ہونے والی یاد ہے، آپ کی تعریف کرنے میں اپنے اور بیگانے دونوں اپنے آپ کو گویا مجبور پاتے ہیں، زبانیں آپ کی مدح میں تر ہیں، روشنائی کی ایک ایک بوند آپ کے ذکر جمیل سے روشن ہے، سچ ہے قومیں ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گی، عبارت کا حرف حرف بول رہا ہے کہ الفاظ کے پردے کے پیچھے آپ ﷺ ہی کی معصوم صورت وسیرت کا عکس جھلملا رہا ہے۔

اس پوری تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ یہود کے سامنے جو نبی آئے وہ کوئی انجانے نبی نہ تھے، بلکہ یہود خوب جانتے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی پیشگوئی ان کی کتابوں میں متعدد مقامات پر موجود ہے، پھر بھی وہ مخالف بنے، گویا یہ ایک سوچی سمجھی مخالفت تھی، جس کے بعد پھر ان کو دین حق کو قبول کرنا نصیب نہ ہوسکا، اَن جانی مخالفت میں تو پھر بھی امکان رہتا ہے کہ کبھی نہ کبھی ہوش آجائے گا، لیکن جان بوجھ کر کی جانے والی مخالفت کا کوئی علاج نہیں، سوتے کو جگانا پھر بھی ممکن ہے، لیکن جو سوتا بن گیا ہو اسے کیا جگایا جائے۔

اور لوٹ گھسوٹ دولت کمانے کا ذریعہ ہوگیا ہے، زنا اور شراب نوشی عام ہے، ایک دُوسرے پر تہمت لگانا کوئی اہم بات نہیں، رشوت اور سودخوری دُنیا کی ضرورت میں داخل ہوگئی ہے، آئے دن اغوا کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ اِس طرح کے اور بھی سرکشیاں پھیلی ہوئی ہیں؛ ان سب کا علاج اسلامی احکام کا نفاذ ہے۔ ضرورت ہے کہ آج قتل کرنے والے پر قصاص اور دیت کے احکام جاری ہوں تب ہی قتل کے اَن گنت واردات پر قابو یافتہ ہوا جاسکتا ہے، حدِ زنا کے نفاذ سے ہی زنا جیسی گندی اور فحش کرتوت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، حد سرقہ کے نفاذ سے ہی چوری کے واقعات پر قابو یافتہ ہوا جاسکتا ہے۔ آج اگر حدِ قذف نافذ ہو تب ہی تہمت لگانے والوں کی زبان پر تالا لگ سکتا ہے، غرض یہ کہ دُنیا میں امن وامان اور سکون واطمینان کا ماحول پیدا کرنے کے لیے روئے زمین پر حدود وقصاص اور تعذیراتِ اسلامی کا نافذ ہونا ضروری ہے، آج عملاً دُنیا اسی کا انتظار کررہی ہے، اگر قاتل کو یہ معلوم ہو کہ ہمیں قتل کرنے کے جرم میں قتل کردیا جائے گا تو یقیناً قتل سے پہلے وہ سوچنے پر مجبور ہوگا، ہاتھ کانپنے لگیں گے، دِل لرزنے لگے گا اور قاتل اپنی جان بچانے کے لیے ایسے قتل کی ہمت نہیں کرے گا، اِس طرح اُس آدمی کی بھی زندگی بچ جائے گی جس کے قتل کا ارادہ قاتل نے کیا تھا اور روئے زمین پر انسان اور انسانیت کی قدر بڑھ جائے گی، زندگی کی قیمت میں اضافہ ہوگا، اِسی لیے قرآن نے کہا ہے:

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ"
(سورہ بقرہ:۱۷۹)

ترجمہ: کہ اے اہلِ خرد! قصاص (کے احکام کے نفاذ) میں تمہارے لئے زندگی ہے؛ تاکہ تم لوگ اختیار اور پرہیز کرنے لگو۔

اگر چور کو معلوم ہو کہ چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تو چوری کرتے وقت اُس کے ہاتھ کانپ جائیں گے اور وہ چوری سے باز آجائے گا، اِس طرح چوری سے روئے زمین پاک ہوگی، لوگوں کو جان کے ساتھ اُن کے مال کی حفاظت کا ایک ماحول بن جائے گا۔ زانی کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ زنا کی سزا میں سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ (سورۂ نور:۲) یا پتھروں سے چور چور کر ہلاک کردیا جائیگا۔ (بخاری:۱/۲۷۶) تو ہرگز زنا کا ارتکاب نہیں کرے گا، اس طرح روئے زمین پر عفت وپاک دامنی کا دَور دَورہ ہوگا، غرض یہ کہ آج کی دُنیا کو سکون اُنھیں قوانین کے نفاذ کے بعد مل سکتا ہے؛ جن قوانین کو نافذ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر امن وامان پھیلایا تھا اور پریشان ماحول کو سکون فراہم کیا تھا، دوسرے قوانین میں وہ جامعیت اور گرفت نہیں ہوسکتی جو اللہ کے قوانین میں ہے، قوانین تیار کرنے کے لیے عقولِ انسانی کافی نہیں ہیں۔ وہ آج کوئی قانون بناتے ہیں کل ہوکر اُس کی غلطی واضح ہوجاتی ہے، ردوبدل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور چلتا رہے گا، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر امن وامان اور سکون وعافیت پھیلانے والے قوانین خود وضع کیے، کسی انسان حتیٰ کہ کسی نبی کے بھی سپرد نہیں کیا۔

حقوق کے معاملہ میں عام طور سے بے اعتدالی ہوسکتی تھی؛ بلکہ ہوئی ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق، میراث میں ورثا کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق وغیرہ کو خود سے بیان فرمادیا؛ تاکہ بالاتفاق نوعِ انسانی اُن قوانین کو تسلیم کرلے اور روئے زمین پر حق تلفیوں کا سلسلہ ختم ہوجائے، اللہ کے اِن قوانین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمایا اور دنیا نے صدیوں تجربہ کیا اور آج بھی کررہی ہے کہ حقیقت میں نظامِ عالم پر کنٹرول اللہ کے قوانین کے نفاذ سے ہی ممکن ہے، اُن کے بغیر یہ دُنیا راحت وسکون کا مسکن نہیں بن سکتی، امن وآشتی کا ضامن صرف اور صرف اسلام ہے، حقیقت میں آج پوری انسانیت اپنی زبانِ حال سے اُسی دَور کو پکار رہی ہے جس دَور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے سارے قوانین کو روبہ عمل لاکر ایک معطر ومعنبر ماحول تیار کیا تھا اور انسانیت کو اُس کی صحیح منزل پر پہنچایا تھا۔

موجودہ دَور کا سب سے بڑا المیہ اخلاقیات کا فقدان ہے، جھوٹ، چوری، وعدہ خلافی، بغض، کینہ، فخر، غرور، ریا، غداری، بدگوئی، فحش گوئی، بدگمانی، حرص، حسد، چغلی غرض یہ کہ ساری اخلاقی برائیاں، عام انسانوں اور مسلمانوں میں ہی نہیں؛ بلکہ خواص میں بھی اخلاقیات کا انحطاط آگیا ہے۔ اِس انحطاط وتنزل کا صرف اور

صرف ایک ہی علاج ہے کہ ہر بری خصلت کی برائی معقول انداز میں بیان کی جائے۔

اِس سلسلے میں قرآن وحدیث کے نصوص واضح کیے جائیں؛ تاکہ معقولیت پسند طبقہ شریعت سے قریب ہو، اُس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کو بھی بیان کیا جائے اور اُن کے اختیار کرنے کی تلقین کی جائے، ایک دین دار مسلمان کو اپنے اخلاق وکردار میں کیسا ہونا چاہیے؟ درس گاہِ نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے تھے؟ اُن کے اندر اخلاص وتقویٰ، شرم وحیاء، صبر وشکر کی صفات تھیں، وہ دیانت دار، امانت دار اور سخاوت وشرافت کے خوگر تھے۔ اُن کے اندر ایثار وقربانی، عفت وپاک دامنی اور تواضع وانکساری کی اعلیٰ صفات پائی جاتی تھیں۔ وہ خوش کلام، خوش الحان، خوش دِل اور رحم وکرم کے پیکر تھے، وہ ہمیشہ موت کو یاد رکھتے تھے، اُن کے معاملات کی صفائی سے لوگ متاثر تھے، یہ ساری چیزیں آیات واحادیث کی روشنی میں بیان کی جائیں تو بڑا موثر رہے گا، اپنوں کی اصلاح تو ہوگی ہی، غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، سچ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کو اگر عام کیا جائے تو ضرور بالضرور ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آئے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے معاشرہ کے مماثل ہوگا، جن میں ساری خوبیاں موجود تھیں، یہ خوبیاں آج تاریخ کے صفحات کی زینت بنی ہوئی ہیں، جو کبھی زندگی میں موجود تھیں، پہلے مسلمانوں کو دیکھ کر اُن کے بلند وبالا اخلاق سے متاثر ہوکر لوگ اِسلام قبول کرتے تھے، آج اسلام اور اِسلام کی اخلاقی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے کتب خانوں کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ کاش! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات زندگیوں میں رچ بس جائیں تو بات ہی دُوسری ہوجائے۔

یہ دور "پی ایچ، ڈی" اور تخصصات کا دور کہلاتا ہے اگر کسی تحقیق کے طالب علم کو آج کے دور کی ظاہر اور باطنی خرابیوں کے شمار کرنے کا موضوع دے دیا جائے؛ بلکہ ایک نہیں متعدد طالب علموں کو اِس موضوع پر لگایا جائے تب بھی ساری خرابیاں بیان نہیں ہوسکیں گی، اِن ساری خرابیوں کی وجہ اِسلام اور تعلیم اسلام کا عام نہ ہونا ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل بعثت کا مقصد دُنیا کو اعتدال پر لانا تھا، اِس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱) پوری زندگی دعوتِ اصلاح وتبلیغ میں صرف کرڈالی۔ (۲) تربیت کے ذریعہ ایسے افراد پیدا کیے، جن میں ایمان کامل تھا، آخرت کا استحضار تھا، وہ ذکر الٰہی کا اہتمام کرتے، راتوں میں تہجد گذار اور دِنوں میں مجاہد برسرِ پیکار ہوتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اُنھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ (۳) غیروں کی اصلاح سے پہلے اپنی ذات کی اصلاح کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دلائی۔ (۴) اللہ رب العزت کے سارے احکام سے لوگوں کو واقف کرایا۔ (۵) اللہ کے سارے احکام کو زمین پر نافذ کرنے کی کوششیں اور تدبیریں کیں۔ (۶) ہر ایک کے حقوق کو واضح فرمایا، خصوصاً کمزور طبقات مثلاً عورتوں، بچوں، غلاموں، خادموں اور جانوروں کے حقوق کو متعین فرماکر اُن کی ادائیگی کی تلقین فرمائی۔ (۷) معاشرہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں پر گرفت کرنے اور ایک دُوسرے کو احکامِ الٰہی کی تعمیل کی تلقین کا مزاج بنایا۔ (۸) آیات واحادیث کی تعلیم کے ساتھ اُن پر عمل کرنے اور خود احتسابی کی تعلیم دی۔ (۹) آیات کی تفسیر اور احادیث کے یاد کرنے اور اُن کے مذاکرے کا ماحول بنایا۔ (۱۰) اخلاقِ رذیلہ کی خرابیوں کو بیان کرکے اُن سے بچنے اور اخلاقِ فاضلہ کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ (۱۱) ایسا ماحول بنایا کہ ہر آدمی دعوت اصلاح وتبلیغ کو اپنی ذمہ داری سمجھنے لگا تھا۔ اگر آج بھی مذکورہ بالا نبوی طریقہ کار پر عمل ہو تو معاشرہ کی ساری خرابیاں دُور ہوسکتی ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اُس کی تفسیر کو عام کیا جائے، ساتھ ہی احادیث کی تعلیم کا بھی اہتمام ہو، غیروں کے بجائے اپنی خرابیوں پر غور کیا جائے اور اصلاح کی کوشش کی جائے؛ نیز تذکیر وموعظت اور تبلیغ ودعوت کا اہتمام کیا جائے تو ضرور معاشرہ درست ہوگا۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں سب سے بڑی رہنمائی یہی مل رہی ہے کہ جس عرق ریزی سے خیر القرون کا صالح معاشرہ بنا آج بھی وہی ماحول پیدا ہو اور ہمارا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی اور آخرت کی کامیابی ہو اور بس!

شریعت سے متصادم عدالتی فیصلے
اور مسلم دانشوروں کی ذمہ داری

سید محمد امین حسنی ندوی

صرف ایک ہی مذہب ہے جس کے بارے میں یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انسانی زندگی میں پیش آنے والے ہر واقعہ میں وہ انسان کی رہنمائی کرتا ہے، اور نہ صرف یہ کہ رہنمائی کرتا ہے بلکہ اس کا ایک ایسا ضابطہ متعین کردیتا ہے کہ جس میں نہ کسی کا حق مرتا ہے اور نہ کسی کو کسی سے شکایت کا کوئی موقع ملتا ہے، ہماری کوتاہی یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات میں ہم اسلام کے متعین کردہ اصول وقوانین کی افادیت اہل وطن کے سامنے واضح نہیں کرپاتے، جس کا نتیجہ عدالت کے ان فیصلوں کی شکل میں سامنے آتا ہے جو شریعت کے خلاف ہوتے ہیں، اور پوری قوم کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کردیتے ہیں، جیسا کہ ۵/اپریل کو مطلقہ کے خرچ کو لے کر عدالت کا ایک فیصلہ سامنے آیا، عدالت کے اس طرح کے فیصلوں سے خواتین میں یہ پیغام جاتا ہے کہ عدالتیں ان کا حق دلانے کے لیے کوشاں ہیں، اور جب عدالت کے ان فیصلوں کو مسلم علماء چیلنج کرتے ہیں تو عورتوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو عورتوں کے حقوق کی باتیں تو بہت کرتے ہیں لیکن جب حق ملنے کی بات ہوتی ہے تو یہی لوگ روڑہ بنتے ہیں، اس طرح ان کے اندر علماء اور فقہاء سے بدظنی پھیلتی ہے جو بسا اوقات بغاوت کی شکل اختیار کرلیتی ہے، اور میڈیا اس کا پورا فائدہ اٹھا کر علماء پر بے اعتمادی پیدا کرنے اور اسلامی شریعت کو مطعون کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے، اس طرح کی صورتحال میں ہم کو بڑی حکمت کے ساتھ یہ لڑائی لڑنی ہوگی اور عورتوں کو جو حقوق اسلام نے دیے ہیں ان حقوق کی بھی پوری طرح وضاحت کرنی ہوگی۔

۱۹۸۵ء میں بھی اس طرح کے مسائل سامنے آئے تھے، اور اس وقت مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں نے بڑی سوجھ بوجھ سے یہ لڑائی لڑی تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے بورڈ کے ذمہ داروں کے ساتھ اس کی تحریک چلائی تھی، مولانا نے اپنے خطبہ صدارت میں اس فیصلہ کے منفی اثرات کو واضح کرتے ہوئے اور مطلقہ کے نان ونفقہ کی متبادل بعض شکلوں کو پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”طلاق شدہ عورت کو عدت کے بعد سابق شوہر سے قانونی طور پر مستقل گزاراہ دلوانا جس کو (Mentenance) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، شرعا، عقلا کسی طرح درست نہیں، شرعا تو اس لیے نہیں کہ قرآنی نصوص واحکام اور امت کے تعامل کے مطابق اس کی گنجائش نہیں، عقلا اس لیے کہ پھر اس کے بعد مسلم معاشرہ میں بھی سفاکی اور بے دردی کے وہ واقعات رونما ہوں گے جو ملک کے ایک وسیع معاشرہ میں پیش آرہے ہیں، اور نئی بیاہی عورتیں مطلوبہ جہیز نہ لانے پر جلائی جارہی ہیں، اور ان سے کس طرح پیچھا چھڑایا جارہا ہے پھر مطلقہ کے نان نفقہ سے پیچھا چھڑانے کے لیے بھی اس طرح کے واقعات پیش آئیں گے۔ نفقہ مطلقہ کی اس مستقل قانونی شکل (گزارے کو چھوڑ کر) شریعت کے بتائے ہوئے ان متبادل انتظامات کو زندہ اور قائم کرنا پڑے گا جن کی شریعت نے ترغیب دی ہے اور جو شریعت اسلامی کے برکات میں سے ہیں، مثلا عورت کو والدین اور دوسرے مورثین کے ترکہ سے شرعی حصہ دلانا، جو بعض شکلوں میں واجب ہے، اور بہت سے خاندانوں اور معاشروں میں عرصہ سے متروک ہے، مطلقہ کے قریبی رشتہ داروں، اولاد، بھائیوں، اور اگر والدین زندہ ہیں تو ان کو اس کے ساتھ اعانت ومواسات (ہمدردی وغمخواری) اور صلہ رحمی کی ترغیب دینا، اس کی کفالت کا مناسب بندوبست کروانا، اگر نکاح ثانی کی عمر اور حالات ہیں تو اس کی ترغیب وتحریض، نیز اسلامی بیت المال کا قیام، جس سے نادار، اور ضرورت مند افراد کو ضروریات زندگی اور قوت مالا یموت فراہم کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر پورے مسلم معاشرہ میں ہمدردی، سلوک، ایثار وفیاضی کا جذبہ پیدا کرنا جو ہزار بیماریوں کا علاج ہے، اور ہزار مشکلات ومسائل کا حل، اور جو مسلم معاشرہ کو وضعی قوانین سے مستغنی کرتا ہے، اور صدر اوّل اور اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اس کی تابناک مثالیں ہیں، اور اس کا زندہ ثبوت ملتا ہے، یہ ہیں کرنے کے وہ کام جن کو جلد سے جلد شروع ہونا چاہیے، اور جو اسلام کی روح، مزاج، اور شریعت الٰہی اور تعلیمات آسمانی سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں، اور انہیں میں

شریعت کا اصل تحفظ اور اس ملک وعہد میں مسلمانوں کے ایک صاحب شریعت، صاحب کردار، اور صاحب مقام، مستحکم و باعزت، خوددار، اور غیور ملت کی حیثیت سے باقی رکھنے کی ضمانت ہے"۔

شریعت کی تشریح وتوضیح وہ لوگ کریں جو شریعت کی جزئیات سے واقف ہیں، لیکن کیا کہا جائے شریعت پر اعتماد ہم مسلمانوں میں نہیں ہے، یہ فیصلہ جو شریعت کی مخالفت میں ہوتے ہیں اس میں ایک بڑا دخل ہمارا بھی ہے، غور کریئے دارالقضاء میں کتنے مسلمان اپنے مسئلے حل کرواتے ہیں؟ علماء سے کتنے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں؟ مدارس میں جو فقہی مسائل سے واقفیت رکھتے ہیں ان کے پاس جا کر کتنے لوگ اپنے مقدمات پیش کرتے ہیں؟ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے دارالقضاء کی تحریک شروع کی تھی، لیکن افسوس کہ اسلامی عدالت میں اکا دکا ہی مقدمات آتے ہیں اور ہزاروں مقدمات غیر مسلموں کی عدالت میں جاتے ہیں، یہ قصور کس کا ہے؟ فیصلے ہم خود اپنے خلاف کرواتے ہیں، غیر مسلم جج کے پاس ہم خود جاتے ہیں، ہونا تو یہ چاہیے کہ کوئی بھی فیصلہ ہمارا دارالقضاء میں ہو، ہمارا فیصلہ قرآن وحدیث سے ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمادیا ہے؛ اے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی قسم! وہ تو مومن ہو ہی نہیں سکتے، جب تک اپنے آپسی جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنالیں، نیز آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سر تسلیم خم نہ کردیں۔ (النساء/۶۵)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان کواہ کسی علاقہ میں آباد ہوں ان پر یہ بات واجب ہے کہ قضاء شرعی کا نظام قائم کریں کہ اس کے بغیر اپنے نزاعی معاملات میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنا ممکن نہیں۔

مسلمانوں کو عزم کرنا ہوگا کہ ان کا کوئی بھی عمل شریعت کی مخالفت کا سبب نہ بن جائے، ورنہ ان کا ایمان خطرہ میں ہے، شریعت پر عمل کرنا ہم پر واجب ہے، شادی کے جو غیر شرعی مسائل ہیں ان کو اپنے معاشرے سے ختم کرنا ہوگا، جہیز کا مسئلہ ہو یا طلاق کا، یا اور خانگی مسائل ہوں، ان سب میں ہم شریعت کی طرف رجوع کریں گے اور شریعت جو فیصلہ کردے گی اس کو من وعن تسلیم کریں گے۔

بقیہ: رسول رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم)

.....معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ساری کائنات اور سارے عالموں کے لیے رحمت کا ذریعہ بنی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک مرتبہ اسی موضوع کو اپنی سیرت کی ایک تقریر میں بیان کررہے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر میں ایک پرلطف کیفیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ آج یہ لاؤڈ اسپیکر ہمارے سامنے ہے، جس سے ہم آواز کو تیز کرسکتے ہیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نہ آئی ہوتیں، اور مسلمانوں کی تہذیب اور ان کی شائستگی اور دین داری لوگوں کے سامنے نہ آتی تو دنیا ترقی کی ان منازل سے کبھی بھی ہم کنار نہ ہوتی۔

مسلمانوں کا جو علم سے تعلق رہا ہے وہ غیر معمولی ہے، موجودہ دور میں جو غیروں کے یہاں علم کی رمق نظر آتی ہے، یہ سب غیروں نے مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے خواہ وہ نہ مانیں، لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے پاس کچھ نہ تھا، جب علم ہی نہیں تھا تو کیا تھا، اب جو ساری ایجادات آرہی ہیں، گرچہ کہنے کو ان کی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان کو شعور کہاں سے پیدا ہوا، لامحالہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ یہ شعور مسلمانوں ہی سے ان میں آیا، علم کی طرف توجہ کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ یہ سب انہوں نے مسلمانوں ہی سے سیکھا اور اس میں ترقی کرتے چلے گئے، اور مسلمان اس میں غفلت کرنے لگے تو پیچھے چلے گئے، لیکن سیکھا انہوں نے مسلمانوں سے ہی ہے، غرض کہ اس وقت جو کچھ بھی ہم اور آپ اس دنیا میں اچھی بات یا اچھا نظام دیکھ رہے ہیں، یہ اکثر وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا نتیجہ ہے، اور مذکورہ آیت میں انہیں تمام حقائق کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، یہ کوئی معمولی جملہ نہیں ہے، اس کو یوں سمجھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پوری دنیا سنبھل گئی، اس میں معقولیت آگئی، دنیا کے لوگ جانور بنے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انسان بنادیا، بس یہ ایک کسر رہ گئی کہ وہ مسلمان بھی ہوجاتے، شریعت پر پوری طرح عمل کرنے لگتے، لیکن ایسا انہوں نے اپنی ضد میں نہ کیا، البتہ شائستگی اور معقولیت اور خیر کی تمام چیزوں کو مسلمانوں ہی سے حاصل کیا۔

اتباع سنت کا جذبہ

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ.

ترجمہ:- حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے اوپر میرے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کی پیروی لازم کرلو، مضبوطی سے اس کو تھام لو اور دانتوں سے پکڑلو۔ (ابوداؤد: ۴۶۰۹)

فائدہ:- ''سنت'' عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: ''طریقہ'' یا ''عادت''، اصطلاح میں سنت ان امور کو کہا جاتا ہے جو نبی اکرم ﷺ سے قولاً یا عملاً منقول ہوں، آنحضرت ﷺ کی سچی تابعداری کرنے والا ''متبع سنت'' کہلاتا ہے، اور آپ ﷺ سے منقول افعال ''مسنون اعمال'' کہے جاتے ہیں۔

انسانی فطرت میں اپنے بڑے سے تقرب کا جذبہ پایا جاتا ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اصل بڑائی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لیے ہے، اس لیے ہر انسان کی یہ طبعی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک حقیقی کی رضا وتقرب حاصل کرے، اس کے لیے دنیا میں مختلف قوموں نے اپنے اپنے مزاج کے اعتبار سے تقرب کی راہیں اختیار کیں، لیکن قرب کی ایک راہ وہ ہے جو مالک حقیقی نے خود بتائی اور اس کو پسند بھی فرمایا، نیز یہ اعلان بھی کردیا کہ میری قرب ورضا کا حصول اس راہ کے بغیر ناممکن ہے، اور وہ راہ ہے سرور کائنات، رسول انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے سچی محبت اور ان کی ہر نقل وحرکت کو اپنے لیے حرزِ جاں سمجھنے کی، قرب الٰہی کے حصول کا راز بتاتے ہوئے ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آپ فرمادیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ چلو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا) ایک دوسری جگہ صراحت سے یہ بات فرمائی گئی کہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے علاوہ طریقہ کی پیروی دردناک عذاب کا پیش خیمہ ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (تو جو لوگ بھی ان کی (محمد ﷺ) حکم عدولی کررہے ہیں وہ خبردار رہیں کہ وہ کسی فتنہ میں نہ پڑجائیں یا کہیں دردناک عذاب ان کو نہ آدبوچے)

قرآنی آیات کے ساتھ احادیث نبوی میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ فلاح وبہبود کا واحد ذریعہ رسول انسانیت ﷺ کی سچی پیروی ہے اور ان کے طریقہ کے مقابل اپنی ہر خواہش کو کچلنا انسانیت کا تقاضا ہے، اگر اس جذبہ میں حد درجہ انحطاط نظر آئے تو یہ اس بات کا غماز ہے کہ انسانیت زبوں حالی کا تیز تر شکار ہورہی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ایسی ذہنیت کے عموم کو قیامت کی علامات میں شمار فرمایا ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک دور ایسا ہوگا جس میں انسان اپنی مسہری سے ٹیک لگائے بے نیازی کی کیفیت میں میرے فرمان کو ٹھکرادے گا، یعنی آنحضرت ﷺ کے طریقہ سے بے نیازی برتنا ایک عام بات ہوگی اور انسان روشن خیالی کے زعم میں جاہلی زندگی بسر کرنا ہی اپنی معراج سمجھے گا۔

موجودہ دور میں انسانی معاشرہ ایک عجیب کشمکش کا شکار ہے، غیروں کا تذکرہ کجا خود مسلمانوں میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو آوازۂ تجدید کے نعرہ سے متاثر ہوکر آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کو فرسودہ خیالات پر مبنی سمجھ رہی ہے، اور اس کا یہ یقین ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع ترقی کے باب میں سدراہ ہے، یہی وجہ ہے کہ آج انسانیت سوز تعلیمات کو چھوڑ کر دنیا کی پرفریب رنگینیوں میں امن وسکون تلاش کرنے والے بہت نظر آتے ہیں، لیکن معلم انسانیت کے پیغام کو اپنانے کے سلسلہ میں ان کے اندر ایک احساس کہتری پائی جاتی ہے، جب کہ اصحاب ایمان وعزیمت کی یہ شان امتیازی رہی ہے کہ انہیں فروغ انسانیت تعلیمات پر عمل کرنے میں کوئی حجاب نہ ہوتا، اور ان کے ہر عمل میں اتباع سنت کا جذبہ معمور ہوتا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کا معمولی عمل بھی ثمرآور اور کامیابی کی سچی تصویر ہوتا تھا، اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کامیابی کی شاہ کلید اور رب کائنات سے قرب کا حقیقی راستہ تا قیامت آنحضرت ﷺ کی سچی تابعداری ہی میں مضمر ہے اور انسانیت کی بقاء اسی سے وابستہ ہے۔

حالات حاضرہ اور مسلمان

محمد نفیس خاں ندوی

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد ہندوستان میں ہندو مسلم یکجہتی کی ایک نادر مثال قائم ہوئی، انگریزوں کے خلاف پورا ملک ایک پلیٹ فارم پر کھڑا ہوا، اور مذہب ومسلک، ذات وبرادری ہر طرح کے بھید بھاؤ کو فراموش کر کے آزادی کے لیے کوشاں ہوا جس کے نتیجہ میں اس ملک کو انگریزوں کے شکنجہ سے رہائی حاصل ہوئی، لیکن یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں ملک میں آپسی اتحاد اور باہمی تعاون کی فضا ہموار ہو رہی تھی وہیں اس فضا میں کچھ شر پسند عناصر بھی تحلیل ہو رہے تھے جو آزادی کے ہر محاذ پر مجاہدین آزادی کے لیے رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے، وہ انگریزوں کے پشت پناہ اور ان کے حامی وناصر تھے، اگرچہ ان کی کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں، اور یہ ملک آزاد ہوگیا۔

آزادی کے بعد اس ملک کو بٹوارے کے سنگین تجربات سے دوچار ہونا پڑا جس کا سیدھا فائدہ شر پسند جماعت کو حاصل ہوا اور ملک ومذہب کے نام پر وہ پوری طرح سرگرم ہوگئی، اقتدار تک پہنچنے کے لیے اس نے ہر طرح کی انسانیت سوز حرکت کو جائز ٹھرایا، اور ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی انگریز پالیسی کو عملی طور پر اختیار کیا، اور مسلمانوں کے خلاف تعصب ونفرت کی سیاست شروع کی، جس کے نتیجہ میں اس ملک میں سنگین فسادات ہوئے، سخت جانی ومالی نقصانات ہوئے، حالیہ گجرات فسادات نے تو حیوانیت کی ساری حدیں ہی پار کردیں، دلائل وثبوت گواہ ہیں کہ یہ سارے فسادات نہایت منظم اور سرکاری پشت پناہی میں ہی ہوئے جو یقیناً ہندوستان کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں تاہم یہ فسادات وقتی تھے اور ملک کے خاص خاص علاقوں میں واقع ہوئے تھے، اس لیے جلد ہی مسلم قوم ان صدموں سے باہر نکل آئی۔

لیکن ملک کی موجودہ صورتحال پہلے کے مقابل زیادہ سنگین اور تشویشناک ہوچکی ہے، اس وقت فرقہ واریت، تشدد پسندی اور نفرت کی سیاست کو مذہب کے نام پر نہ صرف فروغ دیا جارہا ہے بلکہ اسے لوگوں کے مزاجوں میں بھی داخل کیا جارہا ہے، جس کے لیے جارحیت پسند تنظیمیں پوری آزادی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، ایسے میں ملک کا کوئی خطہ اور کوئی طبقہ محفوظ نہیں ہے، اقلیتیں پریشان اور مسلم قوم سخت مرعوبیت اور تشویش میں مبتلا ہے، اور اپنے مستقبل کو لے کر اضطراب کا شکار ہے۔

بلاشبہ حالات سے گھبرانا اور خوف وہراس کی کیفیت میں مبتلا ہونا طبعی اور فطری ہے لیکن کسی بھی صورت میں مایوس ہونا اور ٹھوس لائحہ عمل سے غفلت برتنا اہل ایمان کے شایان شان نہیں۔

حالات کا تجزیہ بتلاتا ہے کہ اس تشویشناک صورتحال کے مختلف اسباب میں سے ایک بنیادی غلطی خود مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں نے اپنی افادیت اور نافعیت کو نہ صرف ختم کردیا بلکہ وہ یہاں کی مشرک وبت پرست قوموں میں پوری طرح گھل مل گئے اور اپنے ملی تشخص اور مذہبی امتیازات کو ہی فراموش کردیا، مسلم اور غیر مسلم میں ظاہری طور پر کوئی فرق باقی نہ بچا، زندگی کے سارے شعبوں سے اسلام کی روح فوت ہوتی چلی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل ایمان اور اہل شرک کے مابین اخلاقی ومعاشرتی سارے امتیازات ختم ہوگئے، بالآخر مسلمان اس قدر کمزور ہوئے کہ ان کی حیثیت سیاسی مہروں سے زیادہ نہ بچی، جنھیں سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے مفادات میں بھرپور استعمال کیا۔

موجودہ صورتحال میں خوش آئند بات یہ ہے کہ ملک کی اکثریت اب بھی سیکولر بنیادوں پر یقین رکھتی ہے، وہ ملک کی ترقی وسالمیت اور اس کی گنگا جمنی تہذیب کی بقا کے لیے فکر مند بھی ہے، ایسے حالات میں مسلمانوں کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی افادیت کو ثابت کریں، اسلام کی حقانیت اور اس اعلیٰ تعلیمات سے غیروں کو متعارف کرائیں، آپسی میل جول، تجارت ومعاملات، سفر وحضر، مختلف تقریبات وحادثات بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ایسا عملی نمونہ پیش کریں کہ نفرت کی دیوارایں خود بخود ڈھہ جائیں اور مذہب کے نام پر جو خلیج قائم کی جارہی ہے وہ ختم ہوجائے۔ اور اس کے لیے کسی بھی تحریک، جماعت یا تنظیم سے وابستگی کی کوئی شرط نہیں، ہر فرد اپنی اپنی سطح پر اس کا آغاز کرے، وہ خود کو ایک نفع بخش اور فائدہ مند مسلمان ثابت کرے، پھر وہ خود ہی اس کے بہترین نتائج کا مشاہدہ کرے گا۔ یہی طریقہ ہے اس ملک میں مسلمانوں کے ملی تشخص اور مذہبی امتیازات کے ساتھ باقی رہنے کا، اس کے علاوہ اگر کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا گیا جس کی بنیاد جذباتیت پر یا سیاسی دعووں پر ہوگی تو شاید حالات کی تبدیلی مزید قربانیوں کا مطالبہ کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدس ایک نظر میں

☆ ۲۲/اپریل ۵۷۱ء؛ پیدائش، پیدائش سے قبل آپ کے والد کا انتقال مطابق ۱۳/ربیع الاول ہو گیا تھا۔

☆ تقریباً ایک ہفتہ بعد؛ حلیمہ سعدیہ کی آغوش رضاعت۔

☆ پانچ سال کی عمر میں؛ پھر آغوش مادر میں۔

☆ چھ سال کی عمر میں؛ والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا انتقال۔

☆ آٹھ سال کی عمر میں؛ دادا عبدالمطلب کا انتقال۔

☆ بارہ سال کی عمر میں: شام کا پہلا تجارتی سفر۔

☆ سینتیس سال کی عمر میں؛ غار حرا میں خلوت اور تعبد۔

☆ چالیس سال کی عمر میں؛ نزول وحی اور نبوت۔

☆ پینتالیس سال کی عمر میں؛ حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے صحابہ کو حکم۔

☆ سینتالیس سال کی عمر میں؛ کفار قریش کی جانب سے مکمل بائیکاٹ اور شعب ابی طالب میں محصور ہونا۔

☆ پچاس سال کی عمر میں؛ معاشرتی بائیکاٹ کا خاتمہ، ابوطالب اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال۔

☆ ۵۲ سال کی عمر میں؛ ہجرت مدینہ۔

☆ پچپن سال کی عمر میں؛ واقعہ بدر۔

☆ چھپن سال کی عمر میں؛ واقعہ احد۔

☆ اٹھاون سال کی عمر میں؛ واقعہ خندق۔

☆ انسٹھ سال کی عمر میں؛ صلح حدیبیہ۔

☆ ساٹھ سال کی عمر میں؛ بادشاہوں کو دعوت نامے اور فتح خیبر۔

☆ اکسٹھ سال کی عمر میں؛ غزوۂ موتہ، فتح مکہ اور واقعہ حنین۔

☆ باسٹھ سال کی عمر میں؛ واقعہ تبوک۔

☆ ترسٹھ سال کی عمر میں؛ حجۃ الوداع اور آپ کا مشہور خطبہ اور وفات۔

☆ ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ میں وفات۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP -19

Volume: 09 | NOVEMBER 2017 | Issue: 11

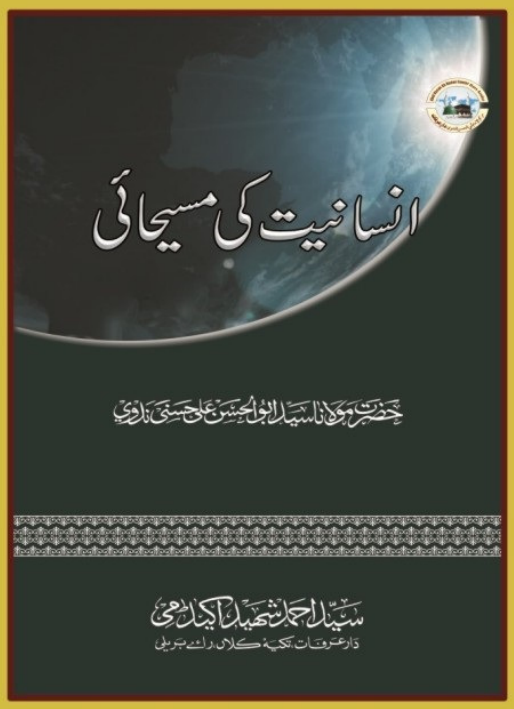

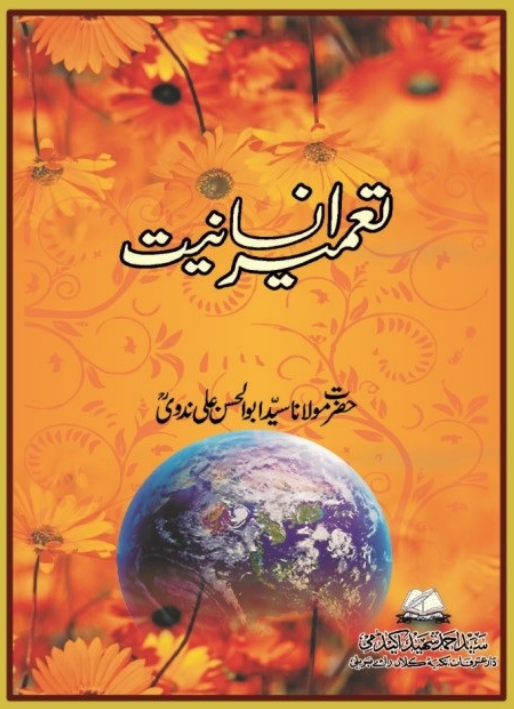

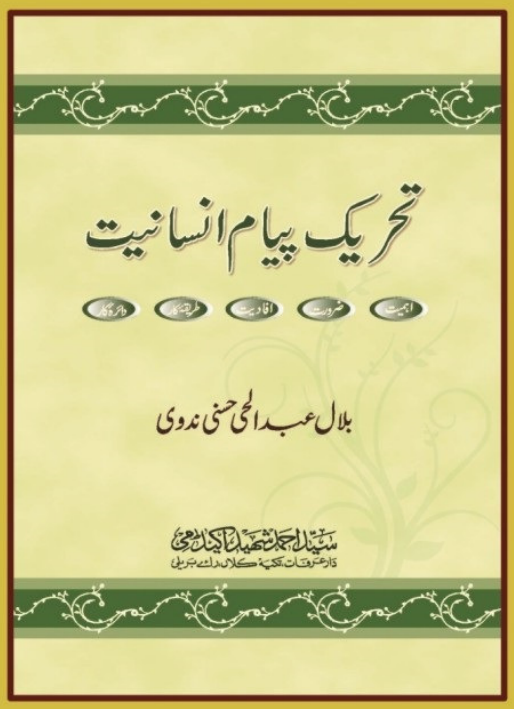

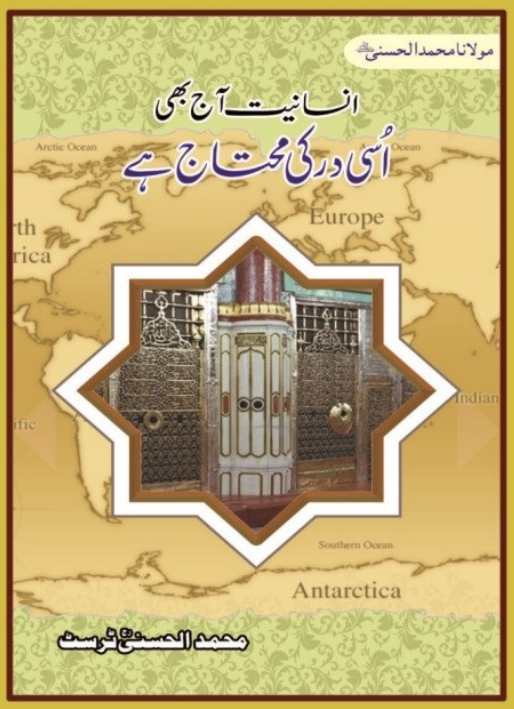

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)